سراب کے بعد
جاوید جازب

سراب کے بعد

جاوید جاذب

FAA

فروغِ ادب اکادمی

لاہور ۞ گوجرانوالہ ۞ اسلام آباد

خوبصورت، معیاری اور
دیدہ زیب کتابوں کا اہم مرکز

نام کتاب	:	سراب کے بعد
مصنف	:	جاوید جاذب
ترتیب	:	عاطف کمال رانا
سال اشاعت	:	2004ء
تعداد	:	500
قیمت	:	روپے
کمپوزنگ	:	نجمی گرافکس
ناشر	:	فروغِ ادب اکادمی

88۔بی سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ
فون: 0431-251603

پتا مصنف : پوسٹ بکس نمبر 41230۔شارجہ۔یو۔اے۔ای
موبائل: 971507878913 آفس: 97165744146

انتساب

بعد از خُدا رسول کے بس اک وجود ہے
جس کی محبتوں سے اندھیرا گداز ہے
پھیلی ہے جس کے نُور سے دُنیا میں روشنی
ماں بھی تو کائنات کا روشن جواز ہے

جاوید جاذب

یہ زندگی یونہی سر کرتے کٹ گئی جاذب
نئے سراب تھے درپیش ہر سراب کے بعد

کہکشاں

☆☆☆

پہچان کے سفر کا راہی

جب انسان اپنے اردگرد کی دنیا کو دل کی آنکھ سے دیکھنا شروع کرتا ہے، جب وقت کا دھارا ہمارے جذبوں اور آرزوؤں کو سیراب اور شاداب کرتا ہے تو زمینِ دل میں نئے نئے شگوفے پھوٹتے ہیں، دلوں میں کومل جذبے پروان چڑھتے ہیں، محبتوں کے مختلف لمحے اور منظر اپنی دلفریبیوں، رعنائیوں اور نئی بشارتوں کے ساتھ نظروں سامنے سج جاتے ہیں، ایسے میں انسان فضاؤں میں جھومنے، خلاؤں کی وسعتوں میں اڑنے اور آسمان کو چھونے کے لئے آمادگی کا اظہار کرتا نظر آتا ہے۔

پھر منظر بدلتا ہے، وقت کروٹ لیتا ہے۔ دل کے ساتھ دماغ اپنا کام تیزی سے شروع کردیتا ہے۔ تب فکر کے جگنو اپنی چمک بکھیرتے ہیں، یہ سماں کس قدر پیارا ہوتا ہے، یہ لمحات کس قدر انمول ہیں، اس کا تصور بھی بہت خوابناک ہے، ایسے میں آدمی پہچان کے سفر پر نکلتا ہے۔ مختلف تہذیبوں کی پہچان، نسلوں کی پہچان، اس کائنات کی پہچان، خالق کائنات کی پہچان اور خود اپنی پہچان!

پہچان کا یہ سفر انسان کو وادی وادی گھماتا ہے، پربت پربت پھراتا ہے، اسے کھنڈروں میں لے جاتا ہے، سرابوں میں سرگرداں رکھتا ہے، پہچان کا سفر بہت آسان بھی ہے اور انتہائی کٹھن اور مشکل بھی۔ اگر نقشِ پا مل گیا، اگر کسی کی انگلی ہاتھ میں آ گئی، اگر رہبر کامل کا اشارہ مل گیا تو پہچان کا یہ سفر آسان ہو گیا لیکن اگر اس سفر میں، اس کھوج میں، رہبری میسر نہ آئی، تو اس سفر پر چلتے ہوئے دل پر کئی عذاب اترتے ہیں کیونکہ جب دل میں تمنا جاگے تو پھر سراب راستوں پر چلتے ہوئے بھی پہچان کا سفر جاری رہتا ہے، یہ پیاس اور بھڑکتی ہے۔

جاوید جاذب کی فکر کے جگنو جب چمکنا شروع ہوئے تو اُس نے لفظ کی انگلی پکڑ لی۔ اُس نے قرطاس و قلم سے رشتہ جوڑا اور پہچان کے سفر پر نکل کھڑا ہوا۔ پہچان کے اس سفر میں اُس نے مختلف جزیروں پر قدم جمائے ، بہت سی تہذیبوں کا مشاہدہ کیا، کتنے ہی معاشروں کے داخلی وخارجی رنگ ملاحظہ کیے۔ اُس نے اس سفر کے دوران جو مطالعہ اور مشاہدہ کیا اسے شعری قالب میں ڈھال کر صفحہ قرطاس پر لانے کا عمل شروع کر دیا اور یوں اُس کی یہ فکری کاوشیں جن میں اُس کے مشاہدے کے رنگ بھی ہیں اور اُس کے مطالعے کے نقش بھی، سراب کے بعد کے عنوان سے ہمارے سامنے ہیں۔ ان میں سے چند رنگ دیکھیے

اب کے صحرا کے سفر میں بھی بہت بھیگا ہوں
آنکھ میں بند کیے پاؤں کے چھالے میں نے

شہر میں ناچتے ہیں سناٹے
دِل ہے آخر بتا کدھر جائے

اب تو آہٹ بھی کاٹ دیتی ہے
پتھروں کے کسی دیار میں ہوں

دوستوں نے تراش لی منزل
میں ابھی وادیٔ غبار میں ہوں

کھلیں اسرار جس سے دو جہاں کے
میں ایسی مے کو پینا چاہتا ہوں

محبت امن اور خوشیاں ہوں جاذب
بس اک ایسا مدینہ چاہتا ہوں

جو بے خودی میں کٹے دن وہی کٹے جی کر
اور اب تو زیست سے بڑھ کر عذاب کیا ہو گا

مری رگوں میں لہو برف ہو گیا جاذب
مجھے مٹا کے بھی وہ کامیاب کیا ہو گا

راستے ، منزلیں ، امیدیں سبھی خواب ہوئیں
اب تو ہر سمت ہی صحرا سے پڑے رہتے ہیں

میں بچ رہا ہوں یہاں کے عجیب لوگوں سے
جو ہر قدم پہ مجھے شہ کی چال دیتے ہیں

ہم اپنے ڈھنگ سے جیتے ہیں زندگی جاذب
ہم اپنے رنگ میں لوگوں کو ڈھال دیتے ہیں

گردشِ وقت نے وہ گھاؤ لگایا مجھ کو
آنکھ صحرا ہے مگر تارے بھرے رہتے ہیں

درد کی آگ نے اس طرح سے گھیرا جاذب
جسم کیا روح میں چھالے سے پڑے رہتے ہیں

درد سہمے ہوئے رہتے ہیں رگوں میں اکثر
آگ برفاب بدن میں تو لگی رہتی ہے

جاذب تلاش کرتی رہی زندگی ہمیں
ہم بے وفا تھے شہرِ وفا سے نکل گئے

عجب طرح کے مضامیں اُترنے لگتے ہیں
مرے قلم سے ستارے بکھرنے لگتے ہیں

میں خامشی کے بدن سے اگر لپٹتا ہوں
شبِ نوا کے اندھیرے نکھرنے لگتے ہیں

میں راستوں سے کبھی جب کلام کرتا ہوں
نقوشِ پائے سماعت اُبھرنے لگتے ہیں

عجیب ڈھنگ سے جاذب رواں ہوئی ہے طبع
حروفِ نور فلک سے اُترنے لگتے ہیں

کیسی باتیں کیسے جھگڑے ہے ذرا سی زندگی
کھیلتے ہنستے ہوئے اک ساتھ رہنا چاہیے

بات جب انصاف کی ٹھہرے تو جاذب دہر میں
بے خطر بے خوف سچی بات کہنا چاہیے

''سراب کے بعد'' میں جاوید جاذب نے زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے معاشرتی جبر اُن میں ایک اہم حوالہ ہے۔ اس کے بہت سے غمناک مناظر ہماری آنکھوں کو دیکھنے پڑتے ہیں۔ جاوید جاذب نے انہیں دیکھا اور بڑی جرأت و بے باکی سے اپنی شاعری میں جذب کیا ہے، جیسے

اب عزت شہرت شہروں میں بس ظلم سے پیدا ہوتی ہے
جب خون بکھرتا ہے جاذب منظر سارے سو جاتے ہیں

رشتوں کا تقدس ہمارے معاشرے کا وہ حسن ہے جس کی آب وتاب دیکھنے والوں کو حیرت زدہ اور ششدر کر دیتی ہے دیگر رشتوں کا حسن بھی اپنی اپنی جگہ بہت اہمیت کا حامل ہے مگر ماں کے رشتے میں جو وقار، عقیدت، اپنائیت اور حسن ہے وہ اپنی مثال آپ ہے اس کی پاکیزگی اور اس کے پیار نے ہمارے پورے معاشرے کو اپنے خوبصورت حصار میں لے رکھا ہے جاوید جاذب نے اپنی شاعری میں ماں کے اس مقدس رشتے کے حوالے سے اپنے فکری چراغوں کو جلا دینے کی کامیاب اور بھرپور کوشش کی ہے۔

پھیلی ہے جس کے نُور سے دُنیا میں روشنی
ماں بھی تو کائنات کا روشن جواز ہے

قدموں کی زمیں اور تھا جو سر پہ آسمان
رشتہ کوئی ماں جیسا دکھائی نہیں دیتا

رشتوں کا بھرم ختم ہوا جاتا ہے جاذب
ماں جیسا تو اب کوئی بھی دم ساز نہ ہو گا

جاوید جاذب کی شاعری میں محبت کا حوالہ بھی اہمیت کا حامل ہے محبت جو مختلف رنگوں کا حسین گلدستہ ہے اس میں وفا کے انمول رنگ بھی ہیں اور جفا کے گدلے رنگ بھی۔ محبت جو ذات کی تکمیل بھی کرتی ہے اور کرب سے ہمکنار بھی کرتی ہے، محبت مختلف پھولوں کی ایک مالا ہے اس میں بہن، بھائی، بیٹے، بیٹیاں، دوست، احباب اور دیگر رشتوں کے موتی اپنی اپنی آب بکھیرتے اور اپنا اپنا نور بانٹتے ملتے ہیں۔ یہ محبت ہی ہے جو دو انسانوں کو قربت کے رشتے میں پرو دیتی ہے۔ محبت کے احساس کو زبان سے بیان کرنا اور لفظ کے ذریعے سے ادا کرنا ناممکن ہے، محبت کے نقش ایسے ہیں کہ ان کی تصویر کشی کسی مصور، شاعر، کسی فنکار کے احاطہ ہنر میں نہیں آسکتی مگر پھر بھی کوششیں تو جاری رہتی ہیں، جاوید جاذب کے کلام میں بھی اس طرح کی کوشش موجود ہے جیسے

تم جو چاہو تو یہ صحرا بھی چمن ہو جائے
بات پنہاں ہے جو آنکھوں سے وہ کہہ کر دیکھو

فاصلے اُس کے تصور سے دہک اُٹھے ہیں
خواہشِ وصل نے اک آگ لگا رکھی ہے

تو جو چاہے تو مٹا دے یہ تری مرضی ہے
زندگی کر دی ہے اب تیرے حوالے میں نے

خوشبو سے مرصع سانسوں کا اک دیس بسانے چلتے ہیں
ہونٹوں کے لپکتے شعلوں سے ہونٹوں کو جلانے چلتے ہیں

جاوید جاذب نے مختصر مدّت میں اپنی ذات کی خوبیوں اور خامیوں سے اور کائنات میں بکھرے ان رنگوں سے خوب حظ اُٹھایا مگر اُس کی مضطرب روح نگری نگری گھوم کر بھی آسودگی سے ہمکنار نہ ہو سکی اس نے دشت دشت سیاحی کی۔ اپنی ذات اور کائنات کے دکھوں کو بدن پر سجانے اور پیار کو دل میں سمانے کے بعد بھی اُس کا سفر تمام نہ ہو سکا اور پھر وہ ایک نئے سفر پر گامزن ہوا وہ اس اکائی کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا جس سے وہ خود جڑا ہوا ہے یہ تلاش اسے کچھ دیر کے لیے گوتم کی طرح تنہائی کے جزیروں، صحراؤں اور معبدوں میں لے آئی وہ سوالات کی گٹھڑی اُٹھائے ایسی دنیا میں جا نکلا جہاں زباں گنگ ہو جاتی ہے، دماغ سن ہو جاتا ہے اور دل ایک خاص فریکونسی پر دھڑکنے لگتا ہے ایسے میں اس انسان اور دنیا کے درمیان ایک دیوار اُٹھ جاتی ہے اور پھر انکشافات کی ایک ایسی دنیا آباد ہو جاتی ہے جس میں من و تو کا فرق مٹ جاتا ہے اس دنیا میں داخل ہونے والا ہر انسان اپنے مشاہدات کے مطابق آگے کا سفر طے کرتا ہے یہاں ہر ایک کی اپنی دیوانگی ہے۔ جاوید جاذب جب اس سفر پر نکلا تو اس کے پاس جو سوالات تھے ان کا شعری روپ ملاحظہ کریں۔

دل سے دُور نکل کے تجھ کو اور کہاں تک جانا ہے
منزل ہے اپنے ہی اندر مان وہاں تک جانا ہے

راز ملا تم کو تو جاذب ہاتھ سے اب مت جانے دو
یہ تو ہے آغاز تمہیں اب سرِ نہاں تک جانا ہے

ڈھونڈتا رہتا ہوں محفوظ ٹھکانے جاذب
دیکھئے دل مرا اب جا کے کہاں لگتا ہے

ہر ایک چہرہ اُسی کی دلیلِ وحدت ہے
ہمیں تو اپنا ہی اب امتحان لینا ہے

میں اُسکے پیار میں ویسا ہی ہونا چاہتا ہوں
کمالِ حق کا وہ جلوہ ادھر نہیں آتا

تو ڈھونڈتا ہے اُسے دُور آسمانوں میں
تجھے تلاش کا یہ فن مگر نہیں آتا

یہ رازِ ذات اگر آشکارہ ہو جائے
یہ بحر و بر، یہ فلک سب ہمارا ہو جائے

بدن ملا ہے تو اس کے ہیں امتحان بہت
وجود ذات میں جل کے شرارہ ہو جائے

تجھی نے مجھ کو چھوا ہے ایسے مہک اُٹھا ہوں
میں تجھ میں کھو کے تری طرح بے حساب ہوتا

سکوتِ شب میں بھی منظر سفر میں رہتے ہیں
عجب سراب مری چشمِ تر میں رہتے ہیں

کبھی چمن میں کبھی دُور تپتے صحرا میں
ہم اُلفتوں کے پرندے سفر میں رہتے ہیں

نئے سفر میں ہے اب چاند ہمسفر میرا
اب اس دیئے کو مری رہ گذر میں رہنا ہے

میں اپنے من کی حسین دُنیا میں کھو گیا ہوں
میں دین و دُنیا سے اور آگے نکل رہا ہوں

یہ دشت و دریا یہ صحرا یہ کائنات کے دُکھ
سبھی کا درد بدن پر سجا لیا میں نے

مہک اُٹھی ہیں مرے جسم و جاں کی سب شاخیں
کھلا ہوا سا گلستان ہونے والا ہوں

یہ معرفت کے دریچے جو ہو رہے ہیں وا
ضرور صاحبِ عرفان ہونے والا ہوں

سراب کے بعد میں شامل جاوید جاذب کی غزلیں پڑھتے ہوئے ہمیں ایک شادابی اور سرشاری ملتی ہے۔ کلام کی سادگی، نغمگی اور زبان و بیان کی خوبصورتی شاعر کی بصیرت کے عمیق ہونے کی نشاندہی کرتی ہے۔ جاوید جاذب کا کلام اس کے اندر جو محبت بھرا دل ہے اُس کی صدا بن کر ایک پیغام بھی دیتا ہے اور مسرور و شاد بھی کرتا ہے، ایک حساس اور دردمند دل رکھنے والا شاعر جب بات کرتا ہے تو وہ بات دل پر اثر پذیر ہوتی ہے۔ جاوید جاذب نے اپنی بات کو وسعت نظر سے بیان کیا ہے اُس کی فکر کے جگنو شاعری کے نئے افق پر جگمگاتے ہوئے جو چمک بکھیر رہے ہیں اُس سے افق کے اس پار دیکھنے والوں کو اپنے جذبوں کو نکھارنے میں ضرور مدد ملے گا۔ میں اس کی اس کامیاب کاوش کو خوش آمدید کہتا ہوں اور اسے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اللہ کریم اسے مزید کامیابیوں سے نوازے۔

محمد اقبال نجمی

○
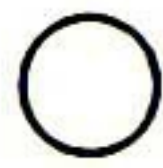
کوئے طیبہ سے آشنائی ہے
رنج و غم سے مری رہائی ہے

کاسۂ دل کو بھر دیا جس نے
دولتِ عشقِ مصطفائی ہے

چھو لیا جب سے نقشِ پائے حبیب
دونوں عالم میں اب رسائی ہے

اب تو راتیں بھی میری روشن ہیں
چشمِ رحمت ادھر بھی آئی ہے

موجِ کیف و سرور و مستی ہے
بادشاہی نہ اب گدائی ہے

خوار پھرتے تھے ہم یونہی جاذب
روشنی اب نظر میں آئی ہے

○
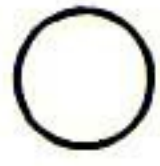
کملی والے سے پیار ہو جائے
زندگی زر نگار ہو جائے

دن اسی آرزو میں کٹتے ہیں
جلوۂ حسنِ یار ہو جائے

حسرتِ وصلِ یار باقی ہے
ختم اب انتظار ہو جائے

کاش ایسا ہو میری خاکِ بدن
زینتِ کوئے یار ہو جائے

اب تو حالت کمال ہے جاذب
نام لوں تو خمار ہو جائے

○
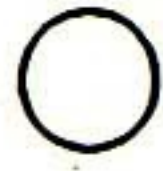
گلے ملا وہ مجھے بیکراں حجاب کے بعد
وہ ابر ٹوٹ کے برسا کڑے عذاب کے بعد

بچا نہیں ہے کوئی بھی نشہ نگاہوں میں
جو اک خمار تھا ٹوٹا ترے شباب کے بعد

نیا سفر تھا نئے لوگ اور نئی منزل
مگر وہی تھا سبھی کچھ ، کچھ اضطراب کے بعد

ابھی جواں ہیں ابھی حسن و جام چلنے دو
جمی نہیں ہے یہ پھر سلطنت شباب کے بعد

میں اب تو زیست کے سب ذائقوں سے واقف ہوں
کمال دوست ملے ہیں مجھے جناب کے بعد

یہ زندگی یونہی سر کرتے، کٹ گئی جاذب
نئے سراب تھے درپیش پھر سراب کے بعد

○
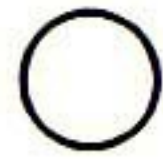
چاند سے اُترو مری آنکھ میں رہ کر دیکھو
کیسے کٹتے ہیں مرے دن کبھی سہہ کر دیکھو

کیسے جیتے ہیں مرے شہر میں بسنے والے
میرے حالات کے گرداب میں رہ کر دیکھو

تم جو چاہو تو یہ صحرا بھی چمن ہو جائے
بات پنہاں ہے جو آنکھوں سے وہ کہہ کر دیکھو

سیڑھیاں تاروں کی رہتی ہیں مرے پیشِ نظر
میری آنکھوں میں بسو عرش پہ رہ کر دیکھو

چند جھونکے ہیں بہاروں کے جوانی جاذب
ایک دو جھونکے مرے ساتھ بھی سہہ کر دیکھو

○
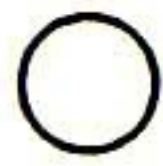
میگی ہو ھداری ہو سنائی نہیں دیتا
آنکھوں میں کوئی ہے جو دکھائی نہیں دیتا

مدت ہوئی ہنستا ہوا منظر نہیں دیکھا
غم ایسا لگا ہے جو رہائی نہیں دیتا

چُپ چاپ جو سہہ جاتا ہے اپنوں کے ستم بھی
دل ایسا سخی ہے کہ دُھائی نہیں دیتا

یادوں کے دریچوں سے بھی جو دُور ہے اب تک
اُس جیسا کوئی شوخ دکھائی نہیں دیتا

قدموں کی زمیں اور تھا جو سر پہ آسمان
رشتہ کوئی ماں جیسا دکھائی نہیں دیتا

ایسی ہی کوئی بات تو تھی ہم میں بھی جاذب
ایسے تو کوئی اپنی خدائی نہیں دیتا

جاپانی الفاظ۔ بمعنی۔ دائیں، بائیں

○
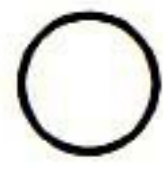
دھوپ تپتی ہوئی آنکھوں میں بچھا رکھی ہے
آگ بہتے ہوئے پانی میں لگا رکھی ہے

مجھ سے مت پوچھ کٹی ہیں مری راتیں کیسے
راکھ بیتی ہوئی راتوں کی بچا رکھی ہے

چاندنی ریت پہ پھیلے تو مجھے لگتا ہے
جسم پہ جیسے مرے آگ بچھا رکھی ہے

ایسا دُشمن ہے سنبھلنے بھی نہیں دیتا ہے
میرے قدموں کی زمیں جس نے اٹھا رکھی ہے

رُت جدائی میں بھی مہکے ہوئے رہتے ہیں حواس
تیری خوشبو تری سانسوں سے چرا رکھی ہے

فاصلے اُس کے تصور سے دہک اُٹھے ہیں
خواہشِ وصل نے اک آگ لگا رکھی ہے

تیری یادوں کا سہارا ہے وگرنہ جاذب
زندگی نے تو بڑی خاک اُڑا رکھی ہے

○
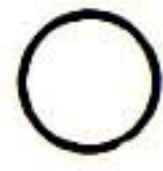
موجِ عذابِ وقت کی رفتار کم کریں
گردش گزیدہ زیست کو پھر تازہ دم کریں

تشہیرِ حسرتِ دلِ درد و الم کریں
کیا زندگی کے داغ سپردِ قلم کریں

سمجھا نہیں ہے کوئی دلِ غم زدہ کی بات
اب کھولتے ہوئے کسی صحرا کو نم کریں

چبھتا ہے آج بھی تری پہلی نظر کا تیر
ملنے کا غم کریں کہ بچھڑنے کا غم کریں

جاذب امیرِ شہر کے بہکے تو ہیں قدم
اب کیا شکستِ و ریخت کے سامان ہم کریں

○

چاند خفا اور تارے بھی برہم ہوتے ہیں
اب تو تپتے صحرا جیسے غم ہوتے ہیں

یوں تو سارا شہر نظر آتا ہے روشن
لیکن ہنستے چہرے ان میں کم ہوتے ہیں

جانے اب کس دیس چلی جاتی ہیں خوشیاں
اپنی راہوں کے پتھر بھی نم ہوتے ہیں

موجوں کا اک شہر بسایا ہے اب میں نے
ساحل کی آغوش میں موتی کم ہوتے ہیں

زخم رگوں میں گھات لگائے رہنے لگے ہیں
درد میں آنسو بھی تو اک مرہم ہوتے ہیں

یادوں کی اک بھیڑ لگی رہتی ہے جاذب
وہی پرانے غم ہوتے ہیں ہم ہوتے ہیں
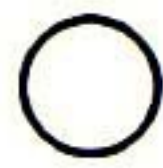
○

خوشبو سے مرصع سانسوں کا اک دیس بسانے چلتے ہیں
ہونٹوں کے لپکتے شعلوں سے ہونٹوں کو جلانے چلتے ہیں

رخسار کی لو میں دہکی ہوئی وہ تاج محل کی انگڑائی
سینے میں مچلتے گیتوں کا وہ راگ چُرانے چلتے ہیں

اک روز اُجالوں کی دُلہن چپکے سے مرے گھر آئے گی
امید کے صحراؤں میں کیوں جھکڑ سے نجانے چلتے ہیں

ہستی کی دہکتی راہوں پر اک عمر لٹائی ہے ہم نے
راہوں کی طنابیں تھام کے اب منزل کو منانے چلتے ہیں

جسموں کی رگوں میں افسردہ زخموں کا سفر تو جاری ہے
ان تپتی جلتی راہوں کو پھولوں سے سجانے چلتے ہیں

جاذب تلاش کرتی رہی زندگی ہمیں
ہم بے وفا تھے شہرِ وفا سے نکل گئے

○
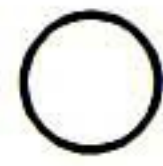
اک شکاری کی طرح جال اُچھالے میں نے
یار تیرے بھی کئی تیر سنبھالے میں نے

اب کے صحرا کے سفر میں بھی بہت بھیگا ہوں
آنکھ میں بند کیے پاؤں کے چھالے میں نے

شک میں بھکی ہوئی اک تیری نظر کی خاطر
درد کے چھلکے ہوئے جام اُچھالے میں نے

اُس نے تو جُرم چھپانے کی بہت کوشش کی
پڑھ لئے آنکھ میں پھیلے ہوئے جالے میں نے

تو جو چاہے تو مٹا دے یہ تری مرضی ہے
زندگی کر دی ہے اب تیرے حوالے میں نے

تو نے تو پیار سے بس ایک نظر دیکھا تھا
کھل گئے دل پہ لگائے تھے جو تالے میں نے

دوست بن کے جو سرِ راہ گلے ملتا تھا
اُس گریباں سے کئی راز نکالے میں نے

○
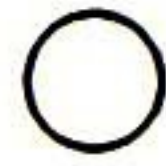
راستہ کیا خبر کدھر جائے
اب تو آوارگی ٹھہر جائے

زندگی پیاس کا سمندر ہے
کاش دل میں کوئی اُتر جائے

شہر میں ناچتے ہیں سناٹے
دِل ہے آخر بتا کدھر جائے

خوف ہے ظلم ہے اندھیرا ہے
بے حسی ہے جدھر نظر جائے

آدمی آدمی سے مل جائے
مسکرا کے سحر بکھر جائے

مشکلوں کے سفر سے لوٹا ہوں
خواہشوں کا بھنور ٹھہر جائے

○
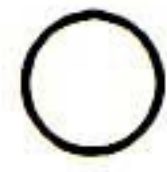
وادیٔ عشقِ بے قرار میں ہوں
ایک آہٹ کے انتظار میں ہوں

تیرے وعدے کے اعتبار میں ہوں
چاند تاروں کی آبشار میں ہوں

تھام لے یا مجھے فنا کر دے
میں تو اب تیرے اختیار میں ہوں

کچھ دنوں سے مہک رہی ہے فضا
میں ابھی حلقۂ بہار میں ہوں

اب تو آہٹ بھی کاٹ دیتی ہے
پتھروں کے کسی دیار میں ہوں

دوستوں نے تراش لی منزل
میں ابھی وادیٔ غبار میں ہوں

زیست سے کیا گلہ کریں جاذب
وقت کے بحرِ بے قرار میں ہوں

○

جانے کیا کیا عذاب سہتے ہیں
میرے سینے میں خواب رہتے ہیں

دل بھی سوچوں کا اک جزیرہ ہے
جس میں اکثر جناب رہتے ہیں

بے حسی بے لباس رکھتے ہو
یاں محبت کے باب بہتے ہیں

لبِ شیریں سے رس ٹپکتا ہے
لوگ جس کو شراب کہتے ہیں

تشنگی ہے کہ بڑھتی جاتی ہے
ہم بھی کیا کیا حجاب سہتے ہیں

فاصلے بھی مری گرفت میں ہیں
مری زد میں سراب رہتے ہیں

جاذب ہم جو اُداس رہتے ہیں
زیست کو بے حساب سہتے ہیں

○

موجِ گُل ہے بہار کے دن ہیں
آ بھی جاؤ کہ پیار کے دن ہیں

خوشبوئیں گدگدا رہی ہیں بدن
بے خودی ہے خمار کے دن ہیں

رقصِ گُل ہے کہ آ رہے ہیں آپ
کیا ملاقاتِ یار کے دن ہیں

میں نے لمحوں کو قید کرنا ہے
گھات میں ہوں شکار کے دن ہیں

سانس تک خوف سے نکلتی نہیں
دشت ہے نوکِ خار کے دن ہیں

زندگی ہے اسیرِ حلقۂ دام
بے کسی ہے غبار کے دن ہیں

زندگی بھی مری نہیں جاذب
جو ملے ہیں اُدھار کے دن ہیں

○
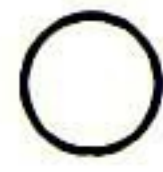
پُرانے زخم سینا چاہتا ہوں
میں کچھ دن اور جینا چاہتا ہوں

مری لہروں کو جو روشن کرے وہ
اُجالوں کا سفینہ چاہتا ہوں

میں اک مدت سے خود بھی لاپتہ ہوں
میں اپنے گھر کا زینہ چاہتا ہوں

مجھے آگاہ کر سُود و زیاں سے
میں جینے کا قرینہ چاہتا ہوں

نظر آئے مجھے اندر کا انساں
میں ایسا آبگینہ چاہتا ہوں

کھلیں اسرار جس سے دو جہاں کے
میں ایسی مے کو پینا چاہتا ہوں

محبت امن اور خوشیاں ہوں جاذب
بس اک ایسا مدینہ چاہتا ہوں

○

پتھروں میں خمار بھرتا ہوں
میں تو لوگوں سے پیار کرتا ہوں

تیرے ہونٹوں کی سُرخ بیلوں پر
ذائقے سب نثار کرتا ہوں

مجھ کو صحرا کی زد میں رہنے دے
تیرے دریا بدن سے ڈرتا ہوں

چھو گئی ہے کوئی کرن مجھ سے
پھر تری آرزو پہ مرتا ہوں

پیار کرتا ہوں یہ نہیں معلوم
تیرے لہجے میں بات کرتا ہوں

جلنے لگتے ہیں پھر دیئے جاذب
بات کی تہہ میں جب اترتا ہوں

○
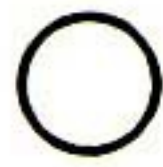
یادوں کے بگولوں سے نکلنے نہیں دیتے
لمحے کبھی فرصت کے بہلنے نہیں دیتے

ویسا ہی تو ہوں جیسا تمہیں پہلے ملا تھا
مجھ کو مرے اسباب بدلنے نہیں دیتے

لمحے مجھے تیروں کی طرح چھید رہے ہیں
مجھ کو مرے حالات سنبھلنے نہیں دیتے

جل جائیں ہم اپنی ہی رگِ جاں کی تپش سے
غم ہیں کہ کوئی راہ بدلنے نہیں دیتے

بہہ جاؤ گے گر وقت کی زد میں کبھی آئے
غم ریگِ رواں ہیں جو سنبھلنے نہیں دیتے

جاذب کوئی بے درد نہیں ہم سا جہاں میں
ہم دل میں کوئی آرزو پلنے نہیں دیتے

دوست عامر کے لئے

جو وقت ہم نے گزارا سراب کیا ہو گا
تیرے وجود سے بڑھ کر عذاب کیا ہو گا

یہ روح جلتی رہی جان بھی نکلتی رہی
وہ بیقرار دنوں کا حساب کیا ہو گا

یوں قطرہ قطرہ ٹپکتا رہا ہے میرا لہو
نظر کا آئنہ اب زیرِ آب کیا ہو گا

جو بے خودی میں کٹے دن وہی کٹے جی کر
اور اب تو زیست سے بڑھ کر عذاب کیا ہو گا

مری رگوں میں لہو برف ہو گیا جاذب
مجھے مٹا کے بھی وہ کامیاب کیا ہو گا

○

زندگی لے ہے اک ترانہ ہے
تم سے ملنے کا اک بہانہ ہے

آزمائش تو کوئی شرط نہیں
بس تمہیں یونہی آزمانا ہے

فرش ہے چھت ہے اور دیواریں
میری تنہائی کا زمانہ ہے

رات کو دن بنا کے رکھوں گا
معجزہ یہ بھی اک دکھانا ہے

جسم و جاں میں تُو ہی دھڑکتا ہے
تجھ کو پایا ہے تجھ کو پانا ہے

جانے پھر کب کہاں ملیں جاذب
بس اُسی وقت کو بچانا ہے

○
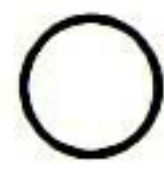
جو چند لمحے ملے تھے شباب سے پہلے
وہی تو وقت ملا تھا عذاب سے پہلے

نہ موجِ گُل نہ چمن اور نہ غمگسار کوئی
یہ دن تو یونہی کٹے ہیں جناب سے پہلے

یہاں تو لوگ سبھی خوش خصال لگتے ہیں
عجب سراب رواں ہیں سراب سے پہلے

میں دشمنوں کو بھی سہتا ہوں آخری حد تک
حساب کرتا نہیں میں حساب سے پہلے

وہ جن کے حسن کے چرچے سنائی دیتے ہیں
وہ چہرے دیکھ چکا ہوں نقاب سے پہلے

عجیب دور تھا جاذبؔ شباب سے پہلے
نشے میں جھومتے پھرنا شراب سے پہلے

○
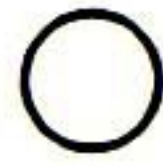
آنکھ میں شعلہ و انگار بھرے رہتے ہیں
خواب جتنے بھی ہیں بے کار پڑے رہتے ہیں

چھین کر لے گیا وہ پیار کے سارے موسم
جسم کی شاخ پہ اب زخم کھلے رہتے ہیں

راستے ، منزلیں ، امیدیں سبھی خواب ہوئیں
اب تو ہر سمت ہی صحرا سے پڑے رہتے ہیں

گردشِ وقت نے وہ گھاؤ لگایا مجھ کو
آنکھ صحرا ہے مگر تارے بھرے رہتے ہیں

درد کی آگ نے اس طرح سے گھیرا جاذب
جسم کیا روح میں چھالے سے پڑے رہتے ہیں

○
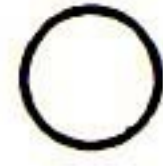
یہ کس طرح کے جرم کیے جا رہا ہوں میں
کہ زندگی کو یونہی جیے جا رہا ہوں میں

کیا بات ہے کیا سوچ کے میں ہو گیا ہوں چُپ
کس مصلحت پہ ہونٹ سیئے جا رہا ہوں میں

واقف ہوں زندگی کے میں ہر اک فریب سے
پھر بھی یہ زہر ہنس کے پیئے جا رہا ہوں میں

بھرتا ہوں خونِ دل سے میں یادوں میں ایسے رنگ
داغوں کو اپنا حُسن دیے جا رہا ہوں میں

ٹھوکر پہ لکھ رہا ہوں زمانے کی آرزو
اب حسرتوں کا قتل کیے جا رہا ہوں میں

جاذب سمیٹ کر تری دُنیا کے سارے جرم
الزام اپنے سر پہ لیے جا رہا ہوں میں

○

انصاف کدوں میں جب منصف دولت اوڑھے سو جاتے ہیں
جب ظلم اندھیرا بڑھتا ہے سورج پیدا ہو جاتے ہیں

اس دیس کے جنگل میں شاید اب کوئی بھی انسان نہیں
طوفان سمندر ہوتے ہیں منظر صحرا ہو جاتے ہیں

کچھ درد تعاقب کرتے ہیں کچھ راتیں دن ہو جاتی ہیں
جب سوچوں کے گرداب تلے امید محل کھو جاتے ہیں

کچھ تپتی ہوئی دوپہریں ہیں کچھ راتیں ہیں کچھ یادیں ہیں
جب پیت محل ڈھہ جاتے ہیں پتھر کیچڑ ہو جاتے ہیں

اب عزت شہرت شہروں میں بس ظلم سے پیدا ہوتی ہے
جب خون بکھرتا ہے جاذب منظر سارے سو جاتے ہیں

○
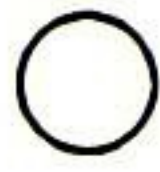
زندگی درد کے سانچوں میں کسی رہتی ہے
بے حسی ہے کہ ہر اک سمت تنی رہتی ہے

خون سے لتھڑے ہوئے رہتے ہیں منظر سارے
بے کسی راہگزاروں پہ سجی رہتی ہے

رنگ افسردہ ، گلِ لالہ حزیں ، ہم بے زار
چشمِ افلاک پہ بھی دُھند جمی رہتی ہے

آج کل شہر ہیں سناٹوں کی زد میں شاید
اب تو دریاؤں پہ بھی برف جمی رہتی ہے

درد سہمے ہوئے رہتے ہیں رگوں میں اکثر
آگ برفاب بدن میں تو لگی رہتی ہے

○

کھلتے تھے گُل جہاں وہ گلستاں نہیں رہا
اب زندگی میں پیار کا عنواں نہیں رہا

اشکوں سے زخمِ دل کو جو دھوتا تھا آج تک
ایسا کوئی بھی اب تو مری جاں نہیں رہا

اک دوسرے کا اب تو گلا کاٹتے ہیں لوگ
کیا اپنے دیس میں کوئی انساں نہیں رہا

ماضی کے دائروں میں گذرتے ہیں روز و شب
فردا کے سوچنے کا بھی امکاں نہیں رہا

کہہ دو امیرِ شہر چراغاں کرے کہ اب
کوئی بھی غیرتوں کا ثنا خواں نہیں رہا

ہر سمت کشت و خوں کے ہیں طوفانِ تند و تیز
جاذب چلو کہ جینے کا ساماں نہیں رہا

○
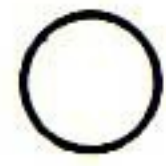
کدھر سے آئی کدھر گئی ہے
جوانی یوں ہی گذر گئی ہے

وہ اک مچلتی ہوئی کرن تھی
دل و نظر میں اُتر گئی ہے

میں جس کو اپنی زمین سمجھا
ہوا چلی تو بکھر گئی ہے

محبتوں ، نفرتوں کی دُنیا
یہیں سجی تھی کدھر گئی ہے

اب حال کیا ہم بتائیں دل کا
بس ایک بجلی اُدھر گئی ہے

خرد کو جب سے شعور آیا
نظر سے دُنیا اُتر گئی ہے

بس ایک ہی روشنی ہے جاذب
جدھر بھی میری نظر گئی ہے

○
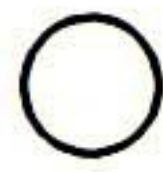
میں اگرچہ جتنا بھی دُور ہوں
ترے بام و در کا سرور ہوں

تری سوچ تیرا خیال ہوں
تری چشمِ تر کا غرور ہوں

مجھے فاصلے بھی پسند ہیں
تری خلوتوں کا سرور ہوں

مجھے توڑ پھوڑ کے چل مگر
تری صبح و شام کا نُور ہوں

مجھے ہوش ہے نہ قرار ہے
میں ترے خیال میں چور ہوں

○
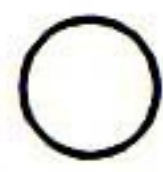
گرمئ وقت نے صحرا سا بچھا رکھا ہے
ایک دریا ہے جو آنکھوں نے اُٹھا رکھا ہے

بس فقط ایک سبق یاد رہا ہے اب تک
ہم نے لوگوں سے محبت کو روا رکھا ہے

ایک پل آنکھ جو جھپکوں تو وہاں تک پہنچوں
ذہن و دل نے مجھے عرشوں پہ بٹھا رکھا ہے

میں نے ہاتھوں سے اُتارا ہے زمانے کا لباس
میری آنکھوں نے ہر اک راز چھپا رکھا ہے

ہولے ہولے سے کھلے مجھ پہ بھی اسرار و رموز
میری رگ رگ میں فقط نامِ خدا رکھا ہے

○

یہ روز و شب تیرے لمحوں کا حال دیتے ہیں
وہ دُور رہ کے بھی ہم کو سنبھال دیتے ہیں

یہ شبنمی سا بدن اور یہ رات کے سائے
اندھیرے حُسن کو تیرے کمال دیتے ہیں

ہمیں ہیں غیر یہاں سب تمہارے اپنے ہیں
لو ہم ہی بزم سے خود کو نکال دیتے ہیں

میں بچ رہا ہوں یہاں کے عجیب لوگوں سے
جو ہر قدم پہ مجھے شہ کی چال دیتے ہیں

ہم اپنے ڈھنگ سے جیتے ہیں زندگی جاذب
ہم اپنے رنگ میں لوگوں کو ڈھال دیتے ہیں

○
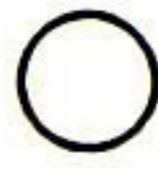
ایسا کچھ کر کہ کام ہو جائے
زندگی بے لگام ہو جائے

لُوٹ لیتے ہیں جو فریبوں سے
اُن کا بھی انتظام ہو جائے

کب تلک کوئی ظلم سہتا رہے
اب کوئی انتقام ہو جائے

زندگی گھات میں جو رہتی ہے
کر کچھ ایسا کے نام ہو جائے

مجھ کو دُنیا نے نوچ رکھا ہے
اب تو بس کوئی جام ہو جائے

پاسِ خوفِ خدا ہے اب ورنہ
جانے کیا مجھ سے کام ہو جائے

جاذب اس درد ناک دُنیا کی
سوچتا ہوں کہ شام ہو جائے

○
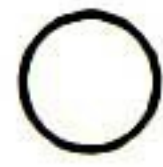
ہار جائیں گے یہ پہلے ہی سے کہہ لیتے ہیں
ایسی چلتے ہیں کوئی چال کہ شہہ لیتے ہیں

ہم مسافر ہیں بس اک روز چلے جائیں گے
تم جو چاہو تو یہاں اور بھی رہ لیتے ہیں

دل کے ویران چمن میں بھی بہار آ جائے
قصۂ درد اجازت ہو تو کہہ لیتے ہیں

ہم نے بھی حُسن کے دریاؤں کا رکھا ہے بھرم
بے خودی موج میں ہوتی ہے تو سہہ لیتے ہیں

دل ترا ظلم پہ آمادہ اگر ہے جاذب
تیر کچھ اور بھی باقی ہیں تو سہہ لیتے ہیں

○

ہماری زندگی بھی اب ہمارے سات کیا ہوگی
نہیں جب بولنے کی بھی اجازت بات کیا ہوگی

ہمیں ہر راہ پہ پھولوں نے لوٹا ہے محبت سے
جب ہم خود کو ہی شہہ دیتے رہے تو مات کیا ہوگی

دہن میں آگ اور آنکھوں میں جیسے دھند ہے طاری
جلے برسات میں گر جسم تو پھر بات کیا ہوگی

ہمارے سامنے حدِ نظر تک دھند چھائی ہے
لگے اب دن میں بھی جب رات تو پھر رات کیا ہوگی

وطن سے دُور اور ان اجنبی سے رہگزاروں پر
تمہارا ساتھ ہو اس سے بڑی سوغات کیا ہوگی

○
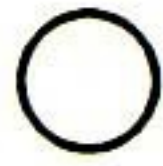
لاکھ ڈھونڈو کہیں نہیں ہو گا
آدمی ہم سا کیا کہیں ہو گا

پیار میں ہم کو خرچ کر دیکھو
وقت پھر ایسا کب حسیں ہو گا

ہم چلے جائیں گے جو دُور کہیں
تم کو احساس تب کہیں ہو گا

اب نہ سمجھے تو پھر کیا سمجھو گے
خون جب زیرِ آستیں ہو گا

پیار میں جان مانگ لو ہم سے
سر مگر خم کبھی نہیں ہو گا

لاکھ اُڑتے پھرو ہواؤں میں
گرنا تم کو یہیں کہیں ہو گا

تارے قدموں میں بچھ گئے جاذب
چاند اب میرا ہم نشیں ہو گا

○
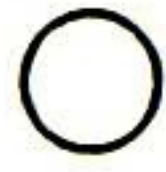
لوگ ہم سے عجیب ہوتے ہیں
کم کسی کو نصیب ہوتے ہیں

سچ کی راہوں سے جو گذرتے ہیں
زیرِ بارِ صلیب ہوتے ہیں

فاصلے ہیں کہ مٹ نہیں پاتے
یوں تو کتنے قریب ہوتے ہیں

پیار میں جس نے ہم کو تھام لیا
ہم اُسی کے نقیب ہوتے ہیں

دوستی میں بھی جن کے مطلب ہوں
ایسے ویسے غریب ہوتے ہیں

موجِ غم میں جو بہتے رہتے ہیں
ہم سے کچھ کم نصیب ہوتے ہیں

○
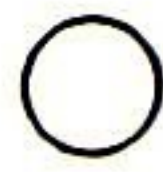
غمِ دو جہاں کا حساب ہے
میرا حال کتنا خراب ہے

مجھے اپنی خود بھی خبر نہیں
میری زندگی ہے یا خواب ہے

وہ جو راز تھا وہی راز ہے
جو نہ پڑھ سکا وہ کتاب ہے

وہی زندگی وہی راستے
جو سراب تھا وہ سراب ہے

نہ وصال ہے نہ فراق ہے
نہ سکون ہے نہ عذاب ہے

ساتھ دو میرا فقط قیدِ وفا ہے لازم
راستہ تم بھی بدل سکتے ہو دُنیا دیکھو

○
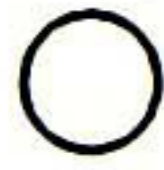
سچ کہنے کی تم کو بھی ضرورت تو نہیں ہے
سچ بولنا ویسے بھی روایت تو نہیں ہے

آنکھوں میں عبارت ہو اگر دل کی کہانی
اظہارِ تمنا کی ضرورت تو نہیں ہے

نفرت ہے عداوت ہے تغافل ہے کہ کچھ اور
شاید کہیں تم کو بھی محبت تو نہیں ہے

اُلجھے ہوئے بکھرے ہوئے خاموش سے کیوں ہو
کیا پھر سے تمہیں میری ضرورت تو نہیں ہے

کم ظرف سے لوگوں کی یہاں بھیڑ ہے جاذب
اس دیس کی مٹی کی یہ خصلت تو نہیں ہے

○

کھل جائیں گے عقدے سبھی کچھ راز نہ ہو گا
آخر ترے انجام کا آغاز نہ ہو گا

سب کچھ تمہیں خود کہنا پڑے گا ہی کسی روز
چُپ رہنے کا پھر کوئی بھی انداز نہ ہو گا

بچھڑو تو مری جان ذرا سوچ سمجھ کر
ہم جیسا تمہارا کوئی ہمراز نہ ہو گا

رشتوں کا بھرم ختم ہوا جاتا ہے جاذب
ماں جیسا تو اب کوئی بھی دم ساز نہ ہوگا

جلتا ہو گلستاں تو سویا نہیں کرتے
گذرے ہوئے انسان کو رویا نہیں کرتے

اب قوم کے زخموں کو ہے مرہم کی ضرورت
پانی سے کبھی زخم کو دھویا نہیں کرتے

○

عجب طرح کے مضامیں اُترنے لگتے ہیں
مرے قلم سے ستارے بکھرنے لگتے ہیں

میں خامشی کے بدن سے اگر لپٹتا ہوں
شبِ نوا کے اندھیرے نکھرنے لگتے ہیں

میں راستوں سے کبھی جب کلام کرتا ہوں
نقوشِ پائے سماعت اُبھرنے لگتے ہیں

ہوائیں بھی میری فطرت سے اب تو واقف ہیں
میں جب چلوں تو یہ موسم سنورنے لگتے ہیں

عجیب ڈھنگ سے جاذب رواں ہوئی ہے طبع
حروفِ نور فلک سے اُترنے لگتے ہیں

○
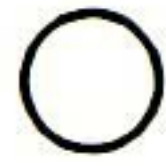
منظر سبھی دلکش تھے ترے پیار سے پہلے
ایسا تو نہ تھا میرا جہاں یار سے پہلے

سُورج ہو زمیں جب تو کٹے کیسے مسافت
صحرا بھی ضروری ہیں چمن زار سے پہلے

امیدِ وفا لوگوں سے گر ہے تو عجب کیا
ہو سکتا ہے مل جائے وہ اظہار سے پہلے

کافی ہے فقط یونہی ہمیں پیار سے ملنا
کٹ جائیں گے خنجر کسی تلوار سے پہلے

اب گل بھی نظر آتے ہیں انگار کی صورت
تھا کتنا حسیں میرا جہاں پیار سے پہلے

کھو دینا ہی بہتر تھا ترا پیار میں جاذب
وہ کتنا حسیں لگتا تھا اقرار سے پہلے

○

مر جایئے قسم سے شکایت نہ کیجئے
دُنیائے رنگ و بُو سے محبت نہ کیجئے

جیسے کٹی ہے ویسے ہی کٹ جائے گی اب بھی
آپ اتنی بھی اب ہم پہ عنایت نہ کیجئے

کہنا ہے جو وہ کھل کے ہی کہہ ڈالو تو اچھا
رہنے دو اب لحاظ کی زحمت نہ کیجئے

اچھا نہ کر سکے تو بُرا بھی نہ کیجئے
دو دن کی زندگی ہے عداوت نہ کیجئے

کافی ہے جب خُدا تو کوئی اور کس لئے
جاذب اب ہم پہ اتنی سخاوت نہ کیجئے

○
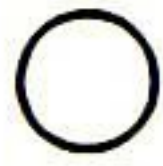
ہم سے تیرا ملنا کوئی احسان نہیں ہے
انساں ہیں یہاں کوئی بھی بھگوان نہیں ہے

مٹنا ہی تو ہے ظلم کو کچھ روز ہے بس اور
ظالم تیرے ہاتھوں میں بھی اب جان نہیں ہے

مسند ہی تو حاصل ہے کوئی عرش نہیں ہے
پاؤں تلے صحرا ہے گلستان نہیں ہے

مٹی کے کھلونوں سے سجا رکھا ہے ہم نے
اس گھر کے لیے کوئی بھی سامان نہیں ہے

روندا ہے مری قوم نے کردار کو جاذب
مسلم ہیں یہاں کوئی مسلمان نہیں ہے

○
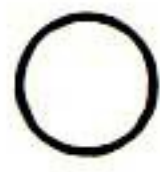
تجھ سے مل کر بھی مرا ذہن پریشان سا ہے
تیرے ہاتھوں میں مرے قتل کا امکان سا ہے

دِل کے اندر کبھی جھانکا تو نظر آیا ہے
شہرِ جذبات بھی اب بے سرو سامان سا ہے

عمر بھر جس سے نہ ملنے کا کیا تھا وعدہ
اُس سے ملنے کا مرے دل میں بھی ارمان سا ہے

اب تو رشتے بھی ہیں شاید کسی بادل کی طرح
کل جو اپنا تھا مگر آج وہ مہمان سا ہے

پھر وہی لوگ، وہی میں، وہی لوگوں کا سلوک
ذہن پختہ سہی پر دل وہی نادان سا ہے

وقت نے کیسے اندھیروں میں دھکیلا جاذب
آج دُنیا کا خدا بھی کوئی انسان سا ہے

○
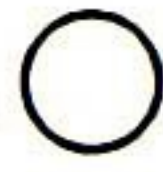
ریزہ ریزہ سارے غم ہو جاتے ہیں
تم سے مل کر درد تو کم ہو جاتے ہیں

جب بھی جدائی حد سے بڑھنے لگتی ہے
ملنے کے آثار بھی کم ہو جاتے ہیں

خواہش کوئی جاگ اُٹھے تو ڈرتا ہوں
آنکھوں کے دروازے نم ہو جاتے ہیں

زخموں سے یوں چُور ہوئے ہیں جسم وجاں
درد بھی اب جیسے مرہم ہو جاتے ہیں

جاذب اتنی دھند کہاں سے آتی ہے
جینے کے ارماں مدہم ہو جاتے ہیں

○
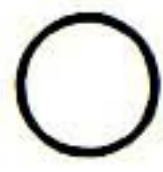
وہ دُور بھی ہو جائے تو دوری نہیں ہوتی
ہر عشق میں دوری بھی ضروری نہیں ہوتی

تم بھی میری سوچوں سے کہیں دُور نہ جانا
اپنوں کی کمی ویسے بھی پوری نہیں ہوتی

ہم پیار میں بے مول ہی بک جاتے ہیں جاناں
ہاں اتنی کمی ہے کہ حضوری نہیں ہوتی

سچ بولنا سچ کہنا ہی عادت ہے ہماری
اپنی تو کوئی بات ادھوری نہیں ہوتی

جس دیس کی مٹی میں نہ زرخیزی ہو باقی
واں پھر تو رہائش بھی ضروری نہیں ہوتی

شاہوں کی حکومت تو چلا کرتی ہے جاذب
جمہور کی آواز ضروری نہیں ہوتی

○
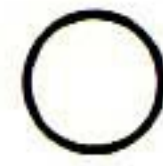
جانے کیا کیا اب تیرا من بولتا ہے
تنہائی کے درد میں جو ، بَن بولتا ہے

جال اپنا بھی اب تو جنگل جیسا ہے
مجھ کو دیکھ کے سارا مدھو بن بولتا ہے

پھولوں نے اب کون سا گلشن ڈھونڈ لیا
گھر لوٹوں تو سُونا آنگن بولتا ہے

مجھ سے بچھڑ کر تو بھی ایک عذاب میں ہے
تجھ سے تیرا راز یہ کنگن بولتا ہے

سارے موسم اب اک جیسے ہیں جاذب
میری آنکھیں دیکھ کے ساون بولتا ہے

○

آنکھوں میں دردِ دل کو چھپایا ہوا تو ہے
محفل میں بن سنور کے وہ آیا ہوا تو ہے

پوچھو نہ کیسے ہم کو گذارا ہے وقت نے
تم جانتے ہو تم کو بتایا ہوا تو ہے

کیا بوجھ عقل کا بھی اُٹھانا ہے لازمی
کاندھوں پہ سب نے سر کو اُٹھایا ہوا تو ہے

ہم سے بچھڑ کے وہ بھی ہمیں سا ہی ہو گیا
ہم جیسا اُس نے حال بنایا ہوا تو ہے

ہم لوگ بھی کیا لوگ ہیں پٹ جاتے ہیں جاذب
باتوں سے ہم کو سب نے بنایا ہوا تو ہے

○
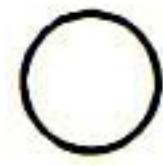
پیار بھی ، حسن بھی ، جوانی بھی
ختم سمجھو یہ اب کہانی بھی

ہوش تک بھی نہ لینے پائے تھے
رُت گذر ہی گئی سہانی بھی

چُھو لیا پھر کسی کی یادوں نے
بڑھ گئی خون کی روانی بھی

دُشمنی میں بھی سچ نبھایا ہے
بات آئی نہیں بنانی بھی

یوں تو سارے دریچے روشن ہیں
خامشی بھی ہے اور گرانی بھی

سیکھا سب کچھ مگر، نہ سیکھ سکے
اک ذرا دوستی نبھانی بھی

جس کو سوچوں نے گھیر رکھا ہو
ایسی کس کام کی جوانی بھی

رہ گئی یاد اک فقط جاذب
پھونک ڈالو یہ اک نشانی بھی

○
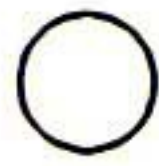
حُسن شعلہ بنا کے رکھو گے
دل کو کب تک بچا کے رکھو گے

خود ہی اک دن کسی کو دے دو گے
شہرِ دل کو لٹا کے رکھو گے

دیکھ کے ہم کو مسکرا دینا
ہم کو اِک دن مٹا کے رکھو گے

دُشمنی بھی حیا بھی اُلجھن بھی
ہم کو اپنا بنا کے رکھو گے

کیا جانئے کس ڈھنگ سے گذرا وہ اب کی بار
انگڑائیاں لیتے تھے شجر دیکھ کے اُس کو

○
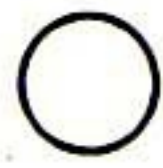
ہم بھی بھولے سے کبھی یاد تو آتے ہونگے
یونہی بے وجہ کبھی تم کو رُلاتے ہونگے

وہ جو آوارہ سے بادل کی طرح بیت گئے
لمحے یادوں کے کبھی تم کو ستاتے ہونگے

کبھی نظریں بھی خلاؤں میں بھٹکتی ہونگی
جال سوچوں کے بھی بنتے چلے جاتے ہونگے

یاد بھی ہوگا کتابوں کا وہ لینا دینا
کبھی پڑھتے ہوئے الفاظ بھی کھو جاتے ہونگے

مجھ سے ملنے کی تڑپ جاگ تو اُٹھتی ہوگی
یونہی کھڑکی میں کبھی وہ چلے آتے ہونگے

تم بھی آباد ہو جانے کہاں اور میں بھی کہاں
پر مرے شعر تمہیں لوگ سناتے ہونگے

○
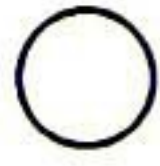
کوئی سوچ ہے نہ خیال ہے
مرا کچھ عجیب سا حال ہے

مجھے خود بھی اپنی تلاش ہے
جو سوال تھا وہ سوال ہے

وہی بے اماں سے ہیں راستے
وہی اُلجھنیں وہی جال ہے

یہ نہ جانے کیسا دیار ہے
نہ فراق ہے نہ وصال ہے

مجھے اب کسی کی طلب نہیں
تیری دوستی کا کمال ہے

وہ جو تھیں وہی ہیں اُداسیاں
وہی حال ہے وہی چال ہے

○
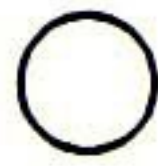
میں تو بادل کی طرح ہوں مجھے جانا ہو گا
پیار تم کو ہی کسی طور نبھانا ہو گا

وصل کی رُت تو دبے پاؤں گذر جاتی ہے
رُت جدائی کو بھی اب اپنا بنانا ہو گا

وقت کیسا بھی ہو رُکتا نہیں بڑھ جاتا ہے
زندگی جیسی بھی ہے گام بڑھانا ہو گا

لوگ ایسے ہی ملے ہیں مجھے ملکوں ملکوں
ربط اب اور کسی سے نہ بڑھانا ہو گا

کتنے مانوس ہیں اب مجھ سے کواکب میرے
میری مٹھی میں بھی اب میرا زمانا ہو گا

ذائقے کڑوے ہیں پردیس کے یوں بھی جاذب
اب تو ہاتھوں کی لکیروں کو مٹانا ہو گا

○
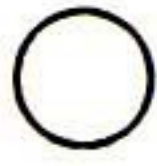
زخموں کو شہرِ دل میں چھپایا نہیں گیا
آنکھوں سے یونہی خون بہایا نہیں گیا

جب زندگی کی خاک اُڑائی تھی وقت نے
لوگوں سے بھی تو مجھ کو بچایا نہیں گیا

آدم ازل سے چلتے بگولوں کی زد میں تھا
ناکامیوں سے اب بھی بچایا نہیں گیا

صدیوں سے گھر بناتے رہے ہیں امیرِ شہر
اب تک غریبِ شہر کو لایا نہیں گیا

انسان کا نصیب بھی کیسا نصاب ہے
اک بار لکھ دیا تو مٹایا نہیں گیا

جاذب طلب میں جس کی گذاری ہے زندگی
اُسکے خیال و خواب میں آیا نہیں گیا

○
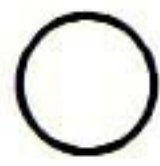
ملتے نہیں ہیں ہم سے کبھی یار کی طرح
ناکامیوں کے ذائقے ہیں پیار کی طرح

ماضی کا ہے سراغ نہ فردا کی روشنی
سوچیں بھی اب تو ہیں کسی بیمار کی طرح

کاٹی یا کٹ گئی ہے کسی طرح زندگی
اب کٹ رہے ہیں دن بھی مری ہار کی طرح

یادوں نے کس مقام پہ پہنچا دیا مجھے
نفرت بھری ہے مجھ میں ترے پیار کی طرح

رہتی ہیں خواہشوں کی دکانیں کھلی ہوئی
دل بھی ہمارا ہے کسی بازار کی طرح

○
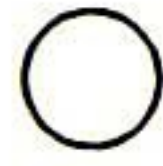
جاگتی آنکھوں سے یوں خواب دکھایا نہ کرو
تم بھی اوروں کی طرح مجھ کو بنایا نہ کرو

زندگی یوں بھی بہت کم ہے محبت کے لئے
فاصلے اتنے مری جان بڑھایا نہ کرو

لکھنے بیٹھوں تو مجھے سانسوں سے جھلساتے ہو
کچھ تو لکھنے دو مجھے اتنا ستایا نہ کرو

دل کے شیشے کو نہ ہونٹوں سے کریدو جاناں
میرے جذبات میں طوفان اُٹھایا نہ کرو

دل تو ویسے بھی مرا حُسن کا شیدائی ہے
ایسے بن ٹھن کے مرے سامنے آیا نہ کرو

○
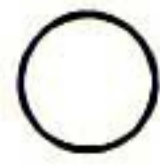
دیپ جلتا ہے اگر تم سے جلا کر دیکھو
ظلمتِ شب کی سیاہی کو مٹا کر دیکھو

ظلم ہے ظلم کو روکو گے تو رُک سکتا ہے
تم میں ہمت ہے تو کچھ خون بہا کر دیکھو

روشنی جاگ بھی سکتی ہے سیہ راتوں میں
غم سے ہارے ہوئے لوگوں کو جگا کر دیکھو

پھول یونہی نہیں کھلتے ہیں چمن زاروں میں
پیار کے بیج تہہِ شہر بچھا کر دیکھو

رنگ بکھریں گے اسی طور سے اک دن جاذب
اپنے الفت بھرے گیتوں کو سُنا کر دیکھو

○
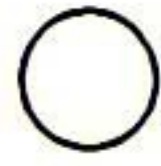
حد سے بڑھ کر مت کوئی بھی بات کہنا چاہیے
ہر گھڑی انسان کو محتاط رہنا چاہیے

دوستی تو دوستی ہے دُشمنی میں بھی سدا
آدمی کو آدمی کا پاس رہنا چاہیے

ظرف ایسا ہو کہ ہر انسان کو سہہ جایئے
ایک دریا کی طرح خاموش بہنا چاہیے

زندگی دریا ہو یا تپتی ہوئی ریگِ رواں
اپنی ہر مشکل کو ہنستے ہنستے سہنا چاہیے

کیسی باتیں کیسے جھگڑے ہے ذرا سی زندگی
کھیلتے ہنستے ہوئے اک ساتھ رہنا چاہیے

بات جب انصاف کی ٹھہرے تو جاذب دہر میں
بے خطر بے خوف سچی بات کہنا چاہیے

○
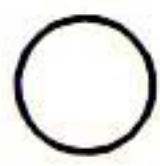
چاند تاروں اور زمیں سے دُور جانا چاہیے
آسماں سے بھی پرے کوئی ٹھکانا چاہیے

پھر نئی منزل کی خواہش کا سفر ہے سامنے
دوستوں سے دُور جانے کا بہانہ چاہیے

بات آپس کی ہے آپس میں ہی رہنے دیجئے
لوگ ہیں اور لوگوں کو کوئی فسانہ چاہیے

حد سے جب بڑھتی ہی جائے ظلمتوں کی تیرگی
غیرتوں کا جام پینا اور پلانا چاہیے

اب تو صحرا بھی یہاں بر فاب ہو کر رہ گئے
ہم کو جاذب دیس اپنا ہی پُرانا چاہیے

○

بات بگڑی ہے پھر سے بنا لیجئے
خود کو میرے گلے سے لگا لیجئے

آپ کے دل میں گر پیار ہی پیار ہے
درد لوگوں کا ہی کچھ بٹا لیجئے

ہم تو کٹتے ہیں بس پیار سے ہی فقط
آستینوں سے خنجر ہٹا لیجئے

لوگ باتوں سے اب تو بہلتے نہیں
اب سہارا کوئی دوسرا لیجئے

یہ جوانی کے دن تو پلٹتے نہیں
کوئی کھلتا ہے گُل تو کھلا لیجئے

کل کا معلوم کیا پھر ملیں نہ ملیں
وقت ہے آج اپنا بنا لیجئے

وقت جاذب بہت تیز رفتار ہے
جو بچا ہے اُسی کو بچا لیجئے

ایک خط

بزمِ ہستی مری خوشبو سے سجائے رکھنا
میری یادوں مرے وعدوں سے بسائے رکھنا

کھو نہ جائیں کہیں چاہت کے چمکتے جگنو
جذبۂ شوق سے گلشن کو بنائے رکھنا

میں نے کچھ پھول کھلائے تھے ترے پہلو میں
وقت کی گرم ہواؤں سے بچائے رکھنا

میں نے مانا کہ کٹھن ہیں ابھی راہیں اپنی
صبحِ امید کو سینے سے لگائے رکھنا

اپنی سانسوں کے دہکتے ہوئے رخساروں پر
میرے ہونٹوں کے مچلتے ہوئے سائے رکھنا

لوٹ آؤں گا کسی روز اچانک یونہی
دل کی ہر راہ پہ کچھ پھول سجائے رکھنا

○
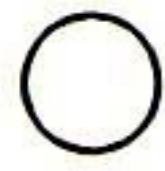
آگ نس نس میں جل رہی ہے کہیں
خواہشِ وصل پل رہی ہے کہیں

دھڑکنیں دل کی بڑھتی جاتی ہیں
بات اُس کی ہی چل رہی ہے کہیں

راستوں پر نشانِ منزل ہیں
رات اپنی ہی ٹل رہی ہے کہیں

میری پلکوں پہ رقص شبنم کا
کوئی خواہش مچل رہی ہے کہیں

محفلِ دوستاں تمام ہوئی
زندگی پھر سنبھل رہی ہے کہیں

ہم تو راتوں کے ہو رہے جاذب
روشنی ہاتھ مل رہی ہے کہیں

○
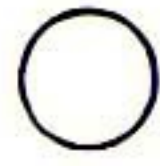
حال میرا خراب ہے یارب
زندگی بھی عذاب ہے یارب

چند لمحوں کی تو مسافت ہے
زندگی ایک خواب ہے یارب

عمر ساری سفر میں گذری ہے
اک وہی اضطراب ہے یارب

میں اندھیروں سے کس طرح نکلوں
روشنی بھی سراب ہے یارب

تو نے اپنے قلم سے جو لکھی
وہ ہی میری کتاب ہے یارب

تیرے اور میرے بیچ میں حائل
وہ ہی اب تک حجاب ہے یارب

جرم انسان ہی سے ہوتے ہیں
ہر نفس کیوں حساب ہے یارب

○
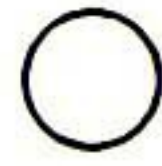
زمیں پہ خواب ہمارے اُترنے والے ہیں
ستارے فرش پہ شاید بکھرنے والے ہیں

فضائیں مہکی ہیں پھولوں نے رنگ پہنے ہیں
ہمارے اُلجھے ہوئے دن سنورنے والے ہیں

میں دُور جا کے بھی اُنکے ہی پاس رہ جاؤں
وہ اسطرح کا کوئی کام کرنے والے ہیں

وہ چاندنی کی طرح جسم و جاں پہ اُترا ہے
یہ فاصلوں کے اندھیرے بھی مرنے والے ہیں

شبِ فراق وہ آخر چلے گئے جاذب
شرابِ وصل کے جادو بکھرنے والے ہیں

○
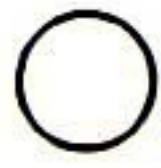
نجانے کس کنارے پر اُترنا چاہتا ہوں
غمِ دُنیا سے اب آگے گذرنا چاہتا ہوں

کوئی وجہ تو ایسی خاص بھی لیکن نہیں پھر بھی
تمہارے دل میں بس یونہی اُترنا چاہتا ہوں

نظر آؤں نہ آؤں تو مجھے محسوس تو کر
میں خوشبو کی طرح ہر سُو بکھرنا چاہتا ہوں

مسافر ہوں مری عادت نہیں اک جا ٹھہرنے کی
تمہاری آنکھ میں کچھ دن ٹھہرنا چاہتا ہوں

مجھے مایوس کر یا شاد کر پھر بھی وطن میرے
تری ہی وادیوں میں شام کرنا چاہتا ہوں

میں شاید آجکل جاذب اندھیروں کا مسافر ہوں
میں سورج کی طرح پھر سے اُبھرنا چاہتا ہوں

○
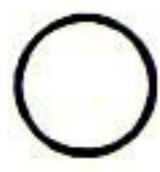
اک بے خودی رہے کہ بہکتا ہوں ہوش میں
آنکھوں میں ریت درد کی بھرتا ہوں ہوش میں

ڈرتا ہوں اِرد گرد کے لوگوں سے اس قدر
اب دشت کی طرف ہی نکلتا ہوں ہوش میں

اتنا ڈسا ہے مجھ کو اندھیروں کے شہر نے
دیوار و در پہ روشنی ملتا ہوں ہوش میں

اپنوں نے اس قدر مجھے مایوس کر دیا
اپنوں کے سائے سے بھی اب ڈرتا ہوں ہوش میں

شعروں سے حسن و عشق کے مضمون اُڑ گئے
اب زندگی کے داغ ہی لکھتا ہوں ہوش میں

رہتا ہوں ہر گھڑی نئی منزل کی کھوج میں
منزل پہ پہنچ کر بھی میں ڈرتا ہوں ہوش میں

○

آج بھی یاد کا ہر لمحہ جواں لگتا ہے
تیری مہکی ہوئی سانسوں کا جہاں لگتا ہے

دل میں جو درد کی ٹیسیں سی اٹھی رہتی ہیں
کوئی خنجر ہے جو اس دل میں نہاں لگتا ہے

اتنا حالات نے برباد کیا ہے مجھ کو
خود سے ملنا بھی مجھے اب تو گراں لگتا ہے

تو جو بچھڑا تو بہاریں بھی ترے ساتھ گئیں
شہر بھی اب تو مجھے شہر کہاں لگتا ہے

حسرتیں ہیں کہ عزا دار نظر آتی ہیں
دل کے اندر بھی کوئی شہرِ فغاں لگتا ہے

ڈھونڈتا رہتا ہوں محفوظ ٹھکانے جاذب
دیکھئے دل مرا اب جا کے کہاں لگتا ہے

○

اپنا آغازِ سفر رات میں ہے
چاند بھی جیسے مری گھات میں ہے

زندگی ایک کوششِ پیہم
میری جنت مری بساط میں ہے

مدتوں جھومتی رہے گی فضا
اک نشہ ہے جو اُسکی مات میں ہے

دل میں اترے تو ڈوب جاؤ گے
ایک دریا ہماری ذات میں ہے

کتنی محرومیوں کا حاصل ہے
جو مزہ تیری ایک بات میں ہے

کیسے پہنچوں گا آج گھر جاذب
شہر سارا ہی میری گھات میں ہے

○
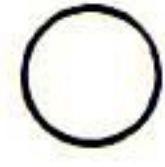
روتے روتے آنکھ لگی ہے
صحرا پہ شبنم سی گری ہے

آس امید نہیں اب کوئی
زخموں کی برسات ہوئی ہے

دیس بدیس کا زہر پیا ہے
آبلہ پائی شوق بنی ہے

ہر جا لوگ ملے اک جیسے
اپنی اپنی دوڑ لگی ہے

ڈھونڈ ہی لیں گے منزل اپنی
تلووں میں اک آگ بھری ہے

جاذب عمر کٹی تب جا کر
بنتے بنتے بات بنی ہے

○
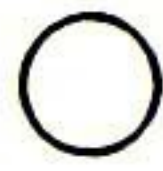
یہ کیسی پیغام بری ہے
دل میں آتشِ درد بھری ہے

آنکھوں میں ہے ایک ہی موسم
اوس گری تھی اوس گری ہے

جاگتی اکھیوں سپنے دیکھے
امیدوں پر خاک پڑی ہے

سینے میں طوفان بہت ہیں
چہرہ اک تصویر بنی ہے

گھومتے پھرتے رات بتائی
دیکھیں اور اب کتنی بچی ہے

لہروں نے ساحل کو توڑا
پانی پر بجلی سی گری ہے

جانے یہ کیا شہر ہے جاذب
دیواروں کو چپ سی لگی ہے

○
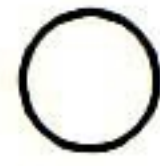
گونجتی من میں صدا اچھی لگی
بند کمرے کی فضا اچھی لگی

خامشی سے گفتگو کا ہے مزہ
بے صدا سی اک صدا اچھی لگی

اک مسلسل آزمائش زندگی
اُس نے سُن کر یہ کہا اچھی لگی

عشق میں پردہ نمائی کیا بھلا
اُس کے ہنسنے کی ادا اچھی لگی

بند ہونٹوں سے مجھے اُس نے کہا
آشنائی کی ثنا اچھی لگی

وصل کا ہے ذائقہ جاذب الگ
ہجر کی اپنی ادا اچھی لگی

○
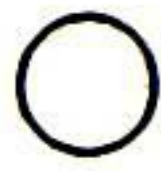
جو اُس کی ذات کے اندر ہے جان لینا ہے
پھر اپنے دل سے اُسے یار مان لینا ہے

بٹھا کے دل میں اُسی کو تو پوجنا ہے ہمیں
پھر اُس کے عشق کی چادر کو تان لینا ہے

ہر ایک چہرہ اُسی کی دلیلِ وحدت ہے
ہمیں تو اپنا ہی اب امتحان لینا ہے

سراغ اُس کا ہی منزل کا تانا بانا ہے
ہمیں کرم کا وہ اک آسمان لینا ہے

گناہ لاکھ ہیں پھر بھی ہیں مطمئن جاذب
اب ہم نے یہ نہیں وہ بھی جہان لینا ہے

○
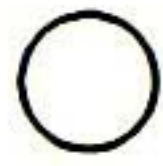
دل سے دُور نکل کے تجھ کو اور کہاں تک جانا ہے
منزل ہے اپنے ہی اندر مان وہاں تک جانا ہے

دُنیا کو تو دیکھ لیا اب اپنے آپ کو پہچانو
جانو گے تو چونک پڑو گے یار! یہاں تک جانا ہے

دُنیا کی ہر چیز تمہاری آنکھوں میں رک سکتی ہے
ایک نظر دیکھو تو پہنچو تم کو جہاں تک جانا ہے

ترے بدن میں حقیقت کا راز پنہاں ہے
تجھے ہی دیکھنا یہ خشک و تر نہیں آتا

جمالِ حق ہے زمیں پر یہ حضرتِ انساں
پہ بندگی کا تجھے ہی ہُنر نہیں آتا

مجھے بھی عشق میں جلنے کا فن ملے جاذب
اُسی کو مانگنا اُس سے مگر نہیں آتا

○

اگرچہ عشق کا وعدہ وفا نہیں ہوتا
مگر یہ تیر بھی دل سے جدا نہیں ہوتا

وفا کے راستے پُر خار ہیں مگر اب تک
جمالِ یار نظر سے جدا نہیں ہوتا

وہ ابر بن کے مرے ساتھ ساتھ رہتا ہے
مجھی سے فرض یہ اپنا ادا نہیں ہوتا

مہک اُٹھی ہیں مرے جسم و جاں کی سب شاخیں
کھلا ہوا سا گلستان ہونے والا ہوں

تلاشِ یار کا اب راستہ ملا ہے مجھے
میں اب حقیقتِ قرآن ہونے والا ہوں

میں چل چکا ہوں حقیقت کی راہ پر جاذب
میں اپنے آپ پر قربان ہونے والا ہوں
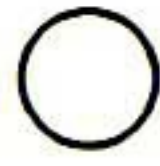
○

یہ رازِ ذات اگر آشکارہ ہو جائے
یہ بحر و بر یہ فلک سب ہمارا ہو جائے

بدن ملا ہے تو اس کے ہیں امتحان بہت
وجود ذات میں جل کے شرارہ ہو جائے

ادھر اُدھر نہیں سب کچھ تمہارے اندر ہے
بس ایک نفس اگر پارہ پارہ ہو جائے

میں اپنے من کی حسین دُنیا میں کھو گیا ہوں
میں دین و دُنیا سے اور آگے نکل رہا ہوں

شعور کی منتہا ہے کیا اب سمجھ رہا ہوں
گرا ہوا تھا نظر سے اپنی سنبھل رہا ہوں

یہ کیف و مستی کی اک انوکھی ڈگر ہے جاذب
زمیں نہیں اب ہوا پہ جیسے میں چل رہا ہوں

فراق بھی اک عجب طرح کا نشہ ہے جاذب
میں جس سلگتے ہوئے الاؤ میں جل رہا ہوں

○
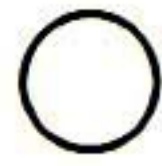
محبتوں کا محبتوں سے جواب ہوتا
حسین ہوتا جہان اور نہ عذاب ہوتا

شعور کو آگہی کے جس سے سراغ ملتے
میں اس طرح کی کوئی مقدس کتاب ہوتا

میں فرش سے عرش تک مہکتا گلاب جیسا
میں خوبصورت فصاحتوں کا نقاب ہوتا

کبھی چمن میں کبھی دُور تپتے صحرا میں
ہم اُلفتوں کے پرندے سفر میں رہتے ہیں

میں الجھنوں کے کئی جال بنتا رہتا ہوں
عجیب خواب مرے بام و در میں رہتے ہیں

میں تمکنت سے سرابوں کے پار اُتروں گا
یہ فاصلے تو مری اک نظر میں رہتے ہیں

○
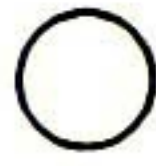
زمیں سے لے کے جہاں تک سفر میں رہنا ہے
تمہیں حضور ہماری نظر میں رہنا ہے

نئے سفر میں ہے اب چاند ہمسفر میرا
اب اس دیئے کو مری رہ گذر میں رہنا ہے

مرے خیال بھی اب میرے اختیار میں ہیں
مرے لہو کو مرے ہی اثر میں رہنا ہے

گذر چکا ہوں میں اب بے کسی کی منزل سے
مجھے تو اب ! ترے شام و سحر میں رہنا ہے

کڑے عذاب سے جاذب گذر کے پہنچا ہوں
تجھے اے زندگی اب میرے گھر میں رہنا ہے

○
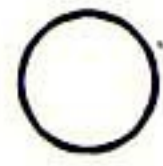
دھوپ کی تھوڑی تپش میں بھی دھواں ہوتے ہیں
شہر میں لوگ نہیں سائے جواں ہوتے ہیں

سلوٹیں چہرے پہ تیری ہی عطا کردہ ہیں
گولیاں جب بھی برستی ہیں نشاں ہوتے ہیں

نہ تو بدلا ہے نہ بدلے گا زمانے کا مزاج
وقت بدلے جو قبا سود و زیاں ہوتے ہیں

اوڑھے پھرتے ہیں جو اخلاص کی جھوٹی چادر
اُن بہاروں میں کئی۔ تیر و کماں ہوتے ہیں

ہم بھی جاذب ہیں پریشان تو ایسا کیا ہے
مضطرب ہم ہی نہیں کون و مکاں ہوتے ہیں

○
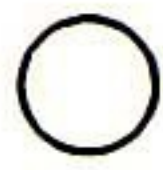
یاد ہے اب بھی ترے ساتھ زمانہ تیرا
چپکے چپکے مرے کمرے میں وہ آنا تیرا

رات کے پچھلے پہر چھت کے کسی کونے میں
میرے ہاتھوں کو وہ سینے سے لگانا تیرا

سیڑھیوں میں کبھی بے ساختہ چلتے چلتے
چھو کے ہاتھوں سے مرے ہونٹ جلانا تیرا

وہ دکھاوے کا کبھی روٹھنا میرا تجھ سے
اور اِس بات پہ وہ اشک بہانا تیرا

دھوپ میں سائے سے بھی ڈر کے سہم سا جانا
اور گھبرائے ہوئے باہوں میں آنا تیرا

کبھی تنہائی میں چھو کر مجھے ہولے ہولے
میرے چہرے کو وہ نظروں میں چھپانا تیرا

بھولتا ہی نہیں منظر مجھے اب تک جاذب
میرے چہرے پہ کبھی زلف گرانا تیرا

○

اپنے خیمے آپ اٹھا کر چلنا ہے
وقت سے پاؤں ساتھ ملا کر چلنا ہے

گزریں گے جس سمت اُجالے مہکیں گے
سورج کو دستار بنا کر چلنا ہے

چاند ستارے پھول اور ساری مہکاریں
خوشحالی کے رنگ بہا کر چلنا ہے

ایسا کچھ کر جائیں صدیاں یاد کریں
تاروں کا اِک شہر بسا کر چلنا ہے

آنے والی نسلیں بھی کیا یاد کریں گی
راہوں میں اَب پھول بچھا کر چلنا ہے

نفرت کی یہ آگ بجھانا ہے جاذب
ہم نے سارے فرق مٹا کر چلنا ہے

○
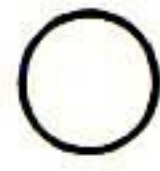
ساحل کی طرف دل ابھی مائل نہیں ہوتا
طوفان اُٹھاؤ کے میں گھائل نہیں ہوتا

صحرا کو بھی بخشتا ہے مری ذات نے سایہ
دریا ہوں سمندر کا میں سائل نہیں ہوتا

وہ شخص مری ذات کا حصہ تھا مگر کیوں
دل اُس کی طرف اب کبھی مائل نہیں ہوتا

کچھ رینگنے لگتا ہے تصور کی زمیں پر
وہ جب بھی ملاقات پہ مائل نہیں ہوتا

اب اور ہی ڈھونڈو اُسے پانے کا سہارا
جاذب وہ حسیں باتوں سے قائل نہیں ہوتا

○
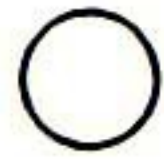
راستوں پر قدم اُٹھا تو سہی
حوصلہ اپنا آزما تو سہی

کتنی گم گشتہ منزلیں ہوں گی
ان اندھیروں کو جگمگا تو سہی

سائے اُگتے نہیں اندھیروں میں
چاند کو نیند سے جگا تو سہی

فاصلے کاٹنے سے کٹتے ہیں
رہگزاروں کو آزما تو سہی

آدمی سے گناہ ہوتے ہیں
آدمی کو گلے لگا تو سہی

○

کبھی فلک کو زمیں تک جھکا لیا میں نے
ٹھکانا ارض و سما پر بنا لیا میں نے

یہ دشت و دریا یہ صحرا یہ کائنات کے دُکھ
سبھی کا درد بدن پر سجا لیا میں نے

یہ مفلسی کے اندھیرے یہ مفلسوں کے چراغ
انہی چراغوں سے خود کو جلا لیا میں نے

میں آدمی ہوں مجھے آدمی سے اُلفت ہے
خیالِ سود و زیاں کو مٹا لیا میں نے

یہ ماہ و مہر یہ انجم مرے کھلونے ہیں
جھکا کے خود کو کہاں تک اُٹھا لیا میں نے

فضا کے سر پہ تھی جاذب لہو لہو چادر
سو اپنے شہر سے خیمہ اُٹھا لیا میں نے

○
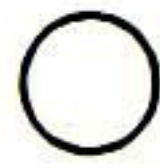
کچھ ایسی ہوا شہر میں اس بار چلی ہے
ہر سر پہ اک ان دیکھی سی تلوار چلی ہے

اک بار سا شہ رگ پہ ہے ہر غنچہ و گل کے
بھینچی ہوئی آواز اُفق پار چلی ہے

اتنی ہے تپش خوف سے پتھر بھی ہیں پیاسے
ظلمت کی یہ برسات تو سو بار چلی ہے

نفرت ہو کہ الفت ہو یا اخلاق کے اطوار
اس دور میں تو خون کی اک دھار چلی ہے

شب کٹتی نہیں تیسری دنیا کے گھروں میں
صبح تو مگر نکلی پہ بیزار چلی ہے

کل تک جو بکی عزتِ حوا سرِ دربار
وہ رسم تو اب تک سرِ بازار چلی ہے

پھوٹے کوئی اب غنچہ بلب پیار کی آواز
یہ تلخیء آلام تو بیکار چلی ہے

سکوتِ شب میں بھی
عجب سراب مری چشمِ تر
کبھی چمن میں کبھی دور
ہم اُلفتوں کے پرندے سفر